ہم کب تک انتہا پسندوں کے ہاتھوں ہائی جیک رہیں گے؟

14 اگست 1947ء کو سامراجی شکنجے سے آزاد ہونے کے سے صرف تین دن پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے مجلس دستور ساز سے خطاب کرتے ہوئے ریاست پاکستان کے ڈھانچے اور ابتدائی ہیت پر تقریر کرتے ہوئے واعظ الفاظ میں کہا کہ آپ کو اپنی مسجدوں، مندروں اور گرجا گھروں میں جانے کی مکمل آزادی ہے ریاست کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ کسی شہری کا مذہب کا ہے۔ میں نے آسان ترین الفاظ میں اُن الفاظ کو لکھنے کی کوشش کی ہے جو قائداعظم نے انگریزی زبان میں کہئے۔ سب سے پہلے تو قائد کی اس تقریر کو چھپنے سے روکا گیا لیکن خدا بھلا کرے ''ڈیلی ڈان'' کا جس نے اُس تقریر کو من وعن شائع کر کے آنے والی نسلوں تک پہنچا دیا کہ بانی پاکستان کس طرح کی ریاست کا نقشہ ذہن میں لیے جدوجہد کرتے رہے لیکن 1949ء کی قرار داد مقاصد نے ریاست کے بنیادی ڈھانچے کی جو تشریح کی وہ قائد کے خیالات ونظریات سے بالکل متضاد بلکہ متصادم تھے۔ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دینے کے بعد نام نہاد ملاؤں اور خودغرض سیاسی رہنماؤں نے "اسلام" کے نام پر اپنے اپنے مفادات کی جنگ کا وہ سلسلہ شروع کیا کہ آج 64 برس گزرنے کے بعد بھی ہر صوبے سے الامان الامان کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہمارے ملک میں بسنے والوں کی اکثریت ان لوگوں کی ہے جن میں شعور کم اور جنون زیادہ ہے۔ اسی چیز کا فائدہ چند لوگ اٹھاتے چلے آرہے ہیں کیونکہ جنونی لوگ دماغ سے کم اور دل سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے اس عوام کے دل میں اتر اسلام کا امن اور محبت کا پیام اتارنے کے بجائے اپنی سیاست چمکانے کے لیے ایک اجنبی "اسلام" کا نعرہ یا نام استعمال کیا ہے۔ اس مکروہ کام میں پاکستان کی تاریخ کے سب سے بڑے عوامی لیڈر ذوالفقار علی بھٹو بھی اپنا حصہ ڈال گئے۔ حالانکہ ذاتی طور پر وہ بڑے روشن خیال تھے مگر اپنی کرسی کو بچانے کی خاطر علماء کو خوش کر کے عوام میں اپنی مقبولیت کا گراف گرنے سے بچانے کے لیے انہوں نے کچھ قوانین میں ایسی ترامیم کیں جن کو بعد میں ضیاء الحق نے مزید وسعت دے کر اپنے آپکو "مردمومن مردحق" ظاہر کر کے اپنے اقتدار کو طول دینے کی کوشش کی۔ جب بھٹو صاحب ضیاء کے چنگل میں پھنسے تو کوئی عالمِ دین اُس عاشقِ رسول کو بچانے کیلئے سڑکوں پر نہیں آیا۔ یہ بات بھی سب کو پتہ ہے کہ مردمومن ساری قوم سے کیا وعدہ کر کے آیا اور 90 دن میں انتخابات 90 ماہ میں بھی نہ ہو سکے۔ مومن تو اپنے وعدے کا پکا ہوتا ہے مگر یہ خودساختہ مومن ایسا بیج بو گیا جس کی فصل آج تک کاٹی جارہی ہے۔ مردمومن نے "توہین رسالت" کا وہ قانون متعارف کروایا جو کبھی انگریزوں نے برصغیر میں صرف اس لیے نافذ کیا تھا تا کہ یہاں پر بسنے والے مختلف مذاہب میں ہم آہنگی قائم رہے۔ کوئی کسی دوسرے مذہب، مذہبی پیشوا یا مذہبی صحیفوں کے بارے میں غلط بات کر کے فسادات کا موجب نہ بنے۔ 1697ء میں اسکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا کے رہائشی ایکن ہیڈ جو میڈیکل کا طالب علم تھا کو اسی قانون کے تحت پھانسی کی سزا دی گئی۔ برطانوی تاریخ میں Blasphemy law کے تحت پھانسی کی سزا پانے والا یہ آخری شخص ثابت ہوا کیونکہ اس کے بعد برطانیہ میں یہ قانون نافذ العمل نہ رہا۔ ضیاء الحق کا بنایا ہوا یہ قانون پچاس سے زائد اسلامی ممالک میں بھی متعارف نہیں کیا گیا اور اگر کہیں یہ قانون ہے تو اس کی سزا موت نہیں مقرر کی گئی۔ پاکستان بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے نہ صرف یہ قانون متعارف کروایا بلکہ اس کی سزا کی

آخری حد یعنی موت مقرر کر کے اللہ اور اس کے رسول سے اپنی بے پناہ عقیدت اور والہانہ پیار کا ثبوت بھی دیا۔ظاہر ہے جب اس قانون کو تشکیل دیا گیا ہوگا تو بڑے بڑے علماء اور قانونی مشیروں نے اپنی رائے بھی دی ہوگی۔اس قانون سے شاید عوام کی اکثریت کو اختلاف بھی نہ ہو۔کیونکہ اس ملک میں مسلم آبادی کا تناسب تقریباً 96.2% ہے۔مگر پاکستان میں اکثر قوانین طاقتور کو تحفظ دیتے ہیں یا طاقتور اس کا ناجائز استعمال کر کے کمزور کا استحصال کرتا ہے۔اسی طرح اس قانون میں بھی ہوا۔کیونکہ اس قانون کے نافذ ہونے کے بعد زیادہ تر ایسے واقعات سامنے آئے جن میں دیکھا گیا کہ "توہین رسالت " کسی نے کی ہی نہیں مگر طاقتور نے اپنی زیادتی اور گناہ چھپانے، یا کمزور کے سر اٹھانے پر اس کو توہین رسالت کے اس جال میں الجھا دیا جس کی ابتداء ذلالت اور انتہائی اذیت والی موت پر ہوتی ہے۔اس قانون کے تحت بننے والے کئی قربانی کے بکرے آج تک میڈیا عوام کے سامنے لا چکا ہے۔جس کا اثر ساری دنیا میں محسوس کیا جاتا ہے کیونکہ بیرونی میڈیا اور انسانی حقوق کے ادارے اس بات کو اس طرح لیتے ہیں کہ ہم جنونی ہیں، انتہاء پسند ہیں، انسانی قدروں کو پامال کر رہے ہیں، اپنے ملک میں اقلیتوں اور غریبوں کے جان و مال کا تحفظ نہیں کر سکتے، قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ.....!295B, 295C, 298A, 298C میں یہ تو لکھ دیا گیا کہ مجرم کی سزا موت ہے۔مگر اس قانون کا غلط استعمال کرنے والے کی سزا مقرر نہیں کی۔اللہ اور اسکے رسول کے نام پر جھوٹے بہتان باندھ کر کسی کی جان لینا یا کسی کی جان لینے پر آمادہ کرنے والے کے لیے اس میں کوئی شق نہیں رکھی گئی۔۔دوسری طرف سلمان تاثیر کے بیٹے کو ان لوگوں نے پہلے سے اغواء کر لیا۔اس کی بیٹی کو بھی دھمکیوں کا سلسلہ جاری ہے جس کا انکشاف اس نے اپنے بھائی کے اغواء ہونے سے پہلے اپنے ایک انگلش کالم میں کیا تھا جو دی نیشن لندن میں شائع ہو چکا ہے۔۔کیا رسول اللہ سے محبت اور عقیدت کا یہی انداز ہے؟صفائی نصف ایمان ہے ہمارے ملک میں صفائی کا حال دیکھ کر نصف ایمان سے تو ہم ویسے ہی محروم نظر آتے ہیں۔باقی ہمارے اعمال بھی دیکھ لیں۔جن کی توہین ہم برداشت نہیں کرتے ان کو تو دشمن بھی صادق اور امین کہتے تھے۔ہماری جھوٹ اور بے ایمانی کی مثال نہیں ملتی۔آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے جو میدان جنگ میں بھی اصولوں اور قوانین پر کاربند رہتے تھے۔مگر ہماری عام زندگی میں کوئی اصول اور قانون نہیں۔اسلام تو سلامتی، امن، پیار، محبت، اخوت، بھائی چارے، مساوات، عاجزی، انکساری، انسانیت، عفو و درگذر، قابل عمل، قابل فہم اور آسان دین ہے۔جس میں زندگی کے تمام معاملات اور مسائل کے حل کے لیے ہدایت کا سرچشمہ قرآن پاک اور اس کا عملی نمونہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے۔جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی زندگی کو مثالی بنا سکتے ہیں۔مگر کیا ہم لوگ جو عاشق رسول ہونے کے دعوے دار ہیں اور اس میں موت بھی قبول کرنے کو تیار رہتے ہیں۔کیا ان کی یہ تعلیمات ہیں جن پر ہم آج عمل کر کے ساری دنیا میں رسوا ہو رہے ہیں؟جنونی مسلم اکثریت والے پاکستان میں کیا کوئی غیر مسلم توہین رسالت کرنے کا سوچ بھی سکتا ہے؟ہم جنونی مسلمان تو یہ ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تو اس کو خود کیسے کر سکتے ہیں؟مگر حقیقت میں تو گستاخ رسول غیر مسلم یا اقلیتیں نہیں۔ہم مسلمان ہیں مگر ہم کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔اگر اولاد اپنے ماں باپ کا کہنا نہ مانے اور اپنے مفادات کی خاطر اپنی مرضی کرے تو ہم اس کو تابعدار تو نہیں کہتے ناں!اس کو نافرمان اور گستاخ سمجھا جاتا ہے مگر جب معاملہ اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے اور اس پر صاف نیت سے عمل کرنے کا آتا ہے تو ہمارا معیار دوغلا ہو جاتا ہے۔ایک طرف تو ہم اپنے آقاؐ کے

سب سے بڑے پرستار ہونے کے دعوے دار بنتے ہیں مگران کی بتائی ہوئی طرز زندگی اپناتے نہیں۔حقیقی گستاخ تو وہ ہیں جوان کے ماننے والے بھی ہیں مگر آپؐ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل نہیں کرتے۔مگر سچ کو تسلیم کرنا ہم نے سیکھا ہی نہیں۔اسلام انتہاءپسندی اور بنیاد پرستی نہیں سکھاتا بلکہ دوسرے مذاہب کا احترام کرنے کا درس بھی دیتا ہے۔مگر چند موقع شناس سیاستدانوں اور مفاد پرست علماء نے اس کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔جس میں وہ اکثر معصوم اور بے شعور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کران سے وہ کام کروارہے ہیں جس سے ہمارے ملک میں دہشت گردی اور خوف و ہراس کا ماحول بھی بڑھتا جارہا ہے۔جہاد کے نام پر معصوم اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے والوں نے کبھی خود جہاد کے لیے قدم کیوں نہ بڑھایا؟اپنے بیٹوں کو کیوں نہ جہاد کرنے بھیجا؟مولانا قادری صاحب نے تو ممتاز قادری کو ورغلا کر کسی کی جان لینے کے لیے اکسادیا۔اگر یہ اتنا ہی نیک کام تھا تو سارا ثواب خود کیوں نہ لیا؟ان حالات میں بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے اداروں کی نظر ہماری عدالتوں پر ہوگی۔مگر حکومت اور عدالت بھی اس معاملے میں مجبور اور مفلوج ہے کیونکہ چند ایسے ہی جنونی جو اپنے آپ کو سچا مسلمان ظاہر کرتے ہیں ملک کے سارے نظام کو ایسا ہائی جیک کیا ہے کہ سارا انظام مفلوج ہوکر رہ گیا ہے۔اس میں سب سے زیادہ حصہ دار ضیاءالحق کی باقیات ہیں۔اگر ہم واقعی ہی عاشق رسول ہیں تو سب سے پہلے اپنے اعمال درست کرنے ہونگے،اپنی نیتیں صاف کرنی ہونگی۔جب تک ہم اپنے اعمال حقیقی اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق نہیں کریں گے ہم سب سے بڑے "گستاخ رسول" رہیں گے۔جس کی سزا ہم کو کسی انسان سے نہیں بلکہ اللہ تعالی کی ذات سے مل کر رہے گی۔اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت یہی ہے کہ کسی بھی ایسے معاملے میں عدالت سے رجوع کیا جائے چہ جائیکہ ہم خود وطنِ عزیز کی ہر سڑک پر کھڑے ہوکر منصفی کے فرائض سرانجام دیتے نظر آئیں۔ہم جس نبیؐ کے عاشق ہونے کا دعوی کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انہی کی ہدایت پر عمل نہ کرکے گستاخی کے مرتکب ہورہے ہیں اور یہ اتنی دیر تک ہوتا رہے گا جب تک پاکستان میں انتہاپسندوں کے بجائے فیصلے پاکستان کی عدلیہ اور آئین نہیں کرتا۔

تحریر:سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

17-10-2011